خطبۂ صدارت

صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس (بستی)

منعقدہ

۳۰، ۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء ۔ یکم جنوری سنہ ۱۹۶۰ء

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

شائع کردہ

مجلس استقبالیہ صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس (بستی)

www.abulhasanalinadwi.org

خطبۂ صدارت

صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس (بستی)

منعقدہ

۳۰، ۳۱؍ دسمبر ۱۹۵۹ء ۔ یکم جنوری ۱۹۶۰ء

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

شائع کردہ

مجلس استقبالیہ صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس (بستی)

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرات!

ایک سپاہی و رضا کار کے لئے اگر ایسے اعزاز و منصب کے قبول کرنے کے لئے جو آپ اپنے اس رفیق کو عطا فرما رہے ہیں، کوئی جواز ہو سکتا ہے، تو صرف یہ، کہ اس کو اسکے ذریعہ اپنی آواز کے زیادہ دقیع اور اپنی دعوت کے زیادہ وسیع بننے کی توقع ہو، یہ توقع بعض اوقات بعض جسارتوں کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار دیتی ہے، اس توقع پر اسلامی معاشرہ کا ایک معمولی فرد خانۂ خدا کی سب سے اونچی چوٹی پر چڑھ کر اذان دینے کی جرأت کرتا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ کا حسنِ التفات اور میری مخلصانہ گذارشات اس جسارت کے لئے جو میری زندگی کا ایک اتفاقی واقعہ ہے، وجہ جواز بن جائے گی۔ ؎

اُمید ہست کہ بیگانگیٔ عرفی را
بدوستی سخنہائے آشنا بخشند

حضرات! آپ معاف فرمائیں، مجھے کہانی ذرا دُور سے شروع کرنی ہوگی، ہندوستان میں انگریزی حکومت کے خلاف جد و جہد کرنے کا سب سے بڑا محرک اور سب سے طاقتور اور گہرا جذبہ یہ تھا کہ اس غیر ملکی اقتدار کی موجودگی میں وہ فضاء اور ماحول میسر نہیں، جس میں ہندوستانی اپنے اپنے عقیدہ و

زیر اہتمام
حفیظ نعمانی
تنویر پریس
امین آباد
لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے اپنے جذبات ورِوایات اُور اپنی قومی خصوصیات کے ساتھ نشو ونما اُور ترقی حاصل کرسکیں، اُور ان کی آئندہ نسلیں اُپنے عقیدہ، مسلکِ زندگی اُور قومی مزاج کی حامل ہوں، اُور ان کی نہ صرف معاشی ومادّی بلکہ روحانی اخلاقی اُور ذہنی امنگیں پوری ہوسکیں، جو زندگی کی حقیقی لذّت اُور آزادی کا صحیح انعام ہیں، انگریزی حکومت نے اگرچہ براہِ راست اس ملک کی آبادی کے عقیدہ اُور تہذیب ومعاشرت میں مداخلت نہیں کی تھی، اس کا نصابِ تعلیم بھی غیر دینی اُور سکولر تھا، جس میں کسی قوم کی تہذیب، کسی دَور کے فلسفے اُور کسی مذہب کی الٰہیات کی تعلیم نہ تھی، اور مسیحیت کی مقدس شخصیتوں کو اس میں اجاگر نہیں کیا گیا تھا، اس دَورِ حکومت میں آبادی کے ہر عنصر کو مذہبی آزادی حاصل تھی، اُور اس کا پرسنل لا بھی محفوظ تھا، ایک بے لاگ مؤرخ کی حیثیت سے ہم کو ان حقائق کا اعتراف کرنا چاہئے، لیکن ان تمام ظاہری انتظامات وتحفظات کے باوجود غیر ملکی حکومت اس ماحول اُور فضا کے پیدا کرنے سے نہ صرف قاصر بلکہ اس میں حارج تھی جو ایک قوم یا آبادی کے مختلف عناصر کے آزادانہ نشوونما وترقی کے لئے ضروری ہے، ایک غیر ملکی حکومت میں در اصل ان امنگوں کی تکمیل ناممکن ہے، جن کے سہارے قومیں زندہ رہتی ہیں، جن کی خاطر وہ جدوجہد کرتی ہیں، اُور جن کی راہ میں ان کو ہر مشکل آسان، ہر تلخ شیریں، اُور ہر زیاں نفع معلوم ہوتا ہے، اس کی موجودگی میں اس مسلکِ زندگی پر قائم رہنا مشکل ہے، جو ایک صاحبِ شعور وصاحبِ مقصد قوم کو زندگی سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

یہ تھا وہ احساس جس نے انگریزی حکومت سے گلو خلاصی حاصل کرنے اُور ملک کو آزاد کرنے پر اُبھارا، جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی جدوجہد کا محرک یہی جذبہ اُور یہی توقع تھی، اُور کسی جدوجہد میں ان کے لئے جب ہی کشش اُور معنویت پیدا ہوسکتی ہے جب ان کو اسکے نتیجہ میں اُپنے عقیدہ اُور مسلکِ زندگی کی آزادی، اپنی اخلاقی قدروں کا تحفظ، اُور

اپنی ذہنی ورُوحانی امنگوں کی تکمیل کا سامان نظر آئے، اسکے بغیر ایک خالص اسلامی آبادی کے ملک کی آزادی اُور کسی مسلمان سلطنت کا قیام بھی ایک لفظِ بے معنی اُور ایک سعئ لاحاصل ہے۔

جنگ آزادی کے رہنماؤں نے اس حقیقت کا بار بار اعلان کیا، اُور اطمینان دلایا تھا، اُور آزادی کے حصول کے بعد ہندوستان کے آزاد دستور نے اس کا پورا تحفظ کیا، ہندوستان نے اپنے لئے "غیر دینی" طرزِ حکومت انتخاب کرکے اس فیصلہ پر مہر لگادی، اُور اعلان کردیا، کہ اس ملک کے نظامِ حکومت میں کسی قسم کی مذہبی جارحیت یا کسی قسم کا لسانی وثقافتی تسامراج نہیں ہوگا، یہاں ملک کے مختلف عناصر کو اُپنے اُپنے عقیدہ ومسلک کی نہ صرف آزادی حاصل ہوگی، بلکہ اسکے مطابق اس کو نشوونما حاصل کرنے اُور اپنی آئندہ نسلوں کو تربیت دینے کے آزادانہ مواقع بھی حاصل ہوں گے، یہاں کوئی ایسا ماحول قائم نہیں ہونے دیا جائے گا جس میں ملک کی آزادی کا کوئی عنصر یہ محسوس کرے کہ وہ کسی دوسرے عنصر کے زیر اقتدار ہے، اُور جس سے اس کو اپنی ذلت وغلامی کا احساس ہو، اُور وہ یہ سمجھے کہ وہ اس ملک کے نظم ونسق میں برابر کا شریک نہیں، یہاں کوئی ایسا نظامِ تعلیم نافذ نہیں ہوگا، جس سے کسی فرقہ یا جماعت کے عقائد وجذبات کو ٹھیس لگتی ہو، اس کی فکری اُور اعتقادی بنیادیں متزلزل ہوتی ہوں، اُور اسکے بنیادی معتقدات ومسلمات سے تصادم ہوتا ہو، یہاں آبادی کے کسی ایک عنصر (خواہ وہ کتنا بڑا اُور اہم عنصر ہو) کے مقدسات واعتقادات اُور فلسفہ کو معیار بناکر دوسرے عناصر پر مسلط نہیں کیا جائے گا، یہاں حکومت کی سطح اُور پیمانہ پر کوئی ایسا علمی کام یا ادارہ کا قیام نہیں ہوگا، جس سے صرف ایک عنصر کی قومی خود داری کو غذا ملتی ہو، اُور دوسرے عناصر اس سے یہ محسوس کریں کہ انھوں نے اس ملک کی تعمیر وترقی میں کوئی حصہ نہیں لیا، اُور ان کا اس ملک میں کوئی کارنامہ نہیں ہے، اُور اس سے ان کو اُپنے ماضی سے نفرت اُور مستقبل سے مایوسی ہو، اُور

www.abulhasanalinadwi.org

وہ احساس کہتری کا شکار ہوں، جو ملک کی متوازن ترقی کے لئے سخت مضرت رساں ہے، غرض یہ کہ حکومت
اپنے روپیہ اور مسلک اور اپنے وسائل و ذرائع، اپنی اعانت و سرپرستی، اپنے نظام تعلیم، اور
اپنے پورے اثرات سے کام لے کر ایسا ماحول قائم کرنے کی کوشش کرے گی جس میں آبادی کا ہر حصہ
اور ملک کا ہر فرقہ پوری خوش دلی، گرمجوشی، اعتماد و عزتِ نفس، قلبی اطمینان، دماغی سکون اور
روحانی قوت کے ساتھ اس ملک کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے سکے، اور اس کو آزادی و خود اختیاری
کی ایسی فضا حاصل ہو جس میں وہ ہر قسم کی اندرونی کشمکش سے آزاد ہو کر اس ملک کو چار چاند
لگائے، غیر مذہبی یا سکولر حکومت کا لفظ اگر دیانت داری و خلوص اور ارادہ و شعور کے ساتھ
بولا جاتا ہے، تو وہ اپنے ساتھ یہ سارے لوازم و شرائط رکھتا ہے، اور اس سے یہ خوشگوار نتائج
نکلنے ضروری ہیں۔

لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد اس ملک کے مسلمانوں کو ایک ایسی صورت حال سے سابقہ پڑا جس کی
قطعاً توقع نہ تھی، اور جو اس ملک کے حالات اور دستور سے ذرا بھی مطابقت نہیں رکھتی، یہاں بعض
ریاستوں میں ایک ایسا نصابِ تعلیم جاری کیا گیا جس میں کھلے طریقے پر ایسے مذہبی تصورات و روایات
کی نمائندگی ہے، جس سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی مذہبی حس مجروح ہوتی ہے، بلکہ وہ ان کے
بنیادی اعتقادات و مسلمات سے متصادم ہے، اس فلسفہ و مذہبی تصورات و روایات کو
ہم ہندو علم الاصنام یا ہندو میتھالوجی کے علاوہ کسی لفظ سے صحیح طور پر تعبیر نہیں کر سکتے
ہم سب کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی پوری زندگی اور ان کا پورا نظامِ فکر عقیدۂ توحید پر
قائم ہے، خدا کی ذات و صفات کا وہ تصور جو پیغمبروں نے تعلیم کیا، کائنات و مخلوقات
کے متعلق وہ عقیدہ جو ان کو خدا کا مخلوق و مملوک اور اس کائنات کے نظم و نسق میں بے اختیار
و غیر مؤثر بتاتا ہے، خدا کی تنزیہ و تقدیس، اس کا بے چون و بے چگوں ہونا، ہر قسم کے

حلول و اتحاد سے پاک ہونا، پیغمبروں کا خاص تصور، ان کی بندگی و بشریت کا عقیدہ،
مخلوق کا خالق سے جدا ہونا، غرض ساری اسلامی دینیات اور نظامِ عقائد اس سے
نہ صرف مختلف، بلکہ متصادم ہے، جو ہماری ہندی اردو نصاب کی کتابوں میں مختلف کہانیوں
مذہبی شخصیتوں کے تعارف اور اخلاقی اسباق میں پیش کیا جاتا ہے۔

حضرات!

آپ کے علم و معلومات پر کسی قسم کی بے اعتمادی کے بغیر میں ضروری سمجھتا ہوں، کہ
کم سے کم اس نصاب کے کسی ایک جز اور مرحلہ کی چند جھلکیاں پیش کر دوں جس سے آپ میں
وہ حضرات جو محکمۂ تعلیم اور اس کے نصاب و نظام سے قریبی اور عملی تعلق نہیں رکھتے اندازہ
کر سکیں، کہ اچانک اس ملک کے مسلمان اور آبادی کے دوسرے عناصر جو اپنا خاص عقیدہ
و مسلک رکھتے ہیں کیسی نازک صورت حال سے دوچار ہو گئے ہیں۔

ہم اس نمونہ کے لئے بیسک ریڈروں کو انتخاب کرتے ہیں، جن میں قدرتی طور پر بنیادی
باتیں عام انسانیت یا نیچرل سائنس کے متعلق ہونی چاہئیں، اسلئے کہ ان کے ذریعہ سے
کمسن بچہ کا علمی و شعوری طور پر اپنی گرد و پیش کی دنیا سے پہلا تعارف ہوتا ہے، مگر کتابوں کے
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بالکل لحاظ نہیں کیا گیا، ان کے مضامین سے صاف
ظاہر ہوتا ہے، کہ ایک مخصوص مذہب کے عقائد کی تعلیم دی جا رہی ہے

بیسک ریڈر نمبر ۳ پہلے دعا سے شروع ہوتی ہے، کتاب کے دوسرے سبق کا عنوان ہے
"سعادت مند لڑکا گنیش" اس میں گنیش جی کی تصویریں بنی ہوئی ہیں، اس سبق میں
گنیش جی کو ایک تاریخی انسان کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک دیوتا کی حیثیت سے پیش
کیا گیا ہے، سبق اس طرح شروع ہوتا ہے :-

www.abulhasanalinadwi.org

"ہندوستان کی پُرانی کہانیوں میں ایک کہانی بہت دلچسپ ہے، کہا جاتا ہے کہ پُرانے زمانے میں دیوتاؤں کی ایک مجلس میں یہ سوال ہوا کہ اچھے کاموں میں کس دیوتا کی سب سے پہلے پرستش ہونی چاہئے، سب دیوتا اپنی اپنی پرستش پہلے چاہتے تھے، اسلئے آپس میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، برہما سب سے بڑے دیوتا تھے، اسلئے سب دیوتا ان کی بات مانتے تھے، برہما نے سب دیوتاؤں کی بات سُنکر کہا:- جو دیوتا زمین کا چکر سب سے پہلے لگا آئے گا اُسی کی پرستش سب سے پہلے ہوا کرے گی۔ پھر کیا تھا سب دیوتا اپنی اپنی سواریاں لیکر تیزی سے دوڑے، اندر اپنے اراوت ہاتھی پر، سورج اپنے رتھ پر، اور کمار اپنے مور پر۔"

اس عبارت سے اندازہ ہو جائے گا، کہ بنیادی تعلیم دی جارہی ہے یا پوجا سکھائی جارہی ہے سبق کے آخر میں بچوں کے لئے سوالات ہیں، اس میں پہلا سوال یہ ہے:- "گنیش جی کی پرستش سب سے پہلے کیوں ہوتی ہے؟"

کتاب کا چوتھا سبق ہے:- "پرمود گاؤں میں" اس سبق کا آخری پیراگراف یہ ہے:-

"پرمود کے ساتھی اسے گاؤں کے ان مقامات پر بھی لے گئے، جہاں گاؤں کے رہنے والے صبح شام پوجا کرتے، بھجن گاتے، اور کیرتن کرتے تھے، پرمود نے دیکھا کہ گاؤں کے چاروں طرف چار مندر ہیں، ایک میں شیوجی کی مورت ہے اور دوسرے میں سیتارام کی، تیسرے میں رادھا کرشن کی مورت ہے، اور چوتھے میں ہنومان جی کی، اس گاؤں میں ایک مسجد بھی دیکھی (اس مسجد میں

کیا ہوتا تھا، اس کا کوئی تذکرہ نہیں) پرمود عبادت کی ان جگہوں پر جاتا، اور وہاں اچھی اچھی باتیں سُنکر بہت خوش ہوتا، مندر کا پجاری اُسے تبرک دیتا، اور وہ تبرک پاکر خوش خوش گھر لوٹ آتا۔"

اسکے بعد پرہلاد، بہادر ابھیمنو، دھرو وغیرہ کے قصّے، مہابھارت اور رامائن کی کہانی ہے، پرہلاد اور دھرو کے تاریخی واقعات نہیں ہیں، بلکہ ہندو میتھالوجی درج ہے۔

اسی طرح بیسک ریڈر نمبر ۴ کا پانچواں سبق ملاحظہ ہو، اس کا عنوان ہے:- "بھارت کے تین سنت" اسکے ص۱۸ و ۱۹ پر ہے:-

"ایسے ہی سنت مہاپربھو چیتنیہ دیو بھی تھے، ان کی پیدائش بنگال میں نیا نامی گاؤں میں ہوئی تھی، وہ سری کرشن کے بڑے بھگت تھے، انکے کیرتن اور نصیحتوں میں بڑی دلکشی تھی، ایک دن جب چیتنیہ دیو نصیحت کر رہے تھے، دو آدمیوں نے انھیں گھڑے کے ٹکڑوں سے مارا، ان کا سر پھٹ گیا، اور خون کی دھار بہنے لگی، لیکن انھیں غصّہ نہیں آیا، وہ پیار کے ساتھ آگے بڑھے، اور ان دونوں کو گلے سے لگا کر کہا:- تم لوگ تو سب سے زیادہ رحم اور نصیحت کے مستحق ہو، کیونکہ دوسروں کی نسبت تم لوگوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ چیتنیہ دیو کا پریم دیکھ کر یہ دونوں جو مسلمان تھے ان کے قدموں پر گر پڑے، اور ان کے چیلے ہو گئے۔"

اس "معصوم" کہانی میں ایک مسلمان کا جو کردار دکھایا گیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ بچوں کے ذہن میں ان کا کیا تخیل پیدا کرے گا، اور باہمی اُلفت و اعتماد کا باعث ہوگا، یا نفرت و خوف کا، اسی کتاب میں مہارانا پرتاب کا تذکرہ و تعارف جس انداز سے کرایا گیا ہے، اس سے

www.abulhasanalinadwi.org

نہ صرف ان کی عظمت اور حب الوطنی، بلکہ مغلوں کی حقارت، ان کی بزدلی اور ان کی ملک دشمنی ثابت ہوتی ہے۔

بیسک ریڈر نمبر ۵ کا دوسرا سبق جس کا عنوان "گنگا" ہے، پہلے پیراگراف میں ہے:

"بھارت کے لوگ گنگا کو بہت مقدس مانتے ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ گنگا وشنو بھگوان کے پیروں سے نکل کر شیوجی کی جٹا میں، اور پھر وہاں سے ہمالیہ پہاڑ پر آئی، برہمانے راجہ بھاگیرتھ کی عبادت سے خوش ہو کر ہر جاندار کی نجات کے لئے گنگا کو زمین پر بھیجا، یہ مانا جاتا ہے کہ گنگا لوگوں کے گناہوں کو دھو دیتی ہے۔"

ظاہر ہے کہ یہ خالص ہندو عقیدہ کی تعلیم ہے، جس کو ایک ایسے نصابِ تعلیم میں جس کو مختلف مذاہب کے بچے پڑھنے پر مجبور ہیں، لکھنا ناروا اور نامناسب ہے۔

درجہ ۶ سے درجہ ۸ تک کتابوں کا ایک خاص سلسلہ جس کا نام ہمارے پوروج" (ہمارے اسلاف ہے) پڑھایا جاتا ہے، اس میں بھی ایک مخصوص مذہب کے نامور اشخاص کے حالات درج ہیں ان کتابوں میں کہیں بھی حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور دیگر اکابر اور مسلمان مشاہیر ہند کے قصے نہیں ہیں، جنھوں نے ہندوستان کی سرزمین میں انسانیت اور روحانیت کو بلند کیا، اکبر اور دارا شکوہ کو بھی اس انداز سے پیش کیا گیا ہے، اور ان کے متعلق ایسی باتیں کہی گئی ہیں جن سے ایک غیر متعصب مؤرخ اور محقق کو اتفاق نہیں ہو سکتا۔

اس صورت حال کے دو قدرتی نتیجے ہیں، یا تو مسلمان بچہ ان سبقوں اور واقعات یقین کرتا ہوا پڑھے جس کی ایک کمسن بچے سے توقع ہے، اور جو ایک نصابِ تعلیم کا فطری حق

اور اُستاد کی کامیابی کی شرط ہے، اس کا اسکے سوا کوئی نتیجہ نہیں کہ وہ اپنے معاشرہ سے منقطع اور اپنے مذہب سے منحرف ہو جائے، ظاہر ہے کہ مسلمان اپنی آئندہ نسل کے اس ذہنی و دینی ارتداد کے لئے کسی قیمت پر تیار نہیں ہو سکتے، وہ اگر کسی معنیٰ میں بھی مسلمان ہیں، تو جہالت و ناخواندگی کو ایسے علم پر، اور فقر و افلاس کو ایسی معاشی ترقی پر ہزار بار ترجیح دینگے، جس کے لئے یہ ارتداد ضروری ہو۔

دوسرا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ بچہ اپنے گھر کی تربیت، اپنے والدین کی تلقین، کسی خارجی تعلیم کے اثر، یا اپنی فطرتِ سلیم سے ان تعلیمات و واقعات کو جو اس کو اسکے مدرسہ میں پڑھائے جاتے ہیں غلط، خلاف واقعہ اور مضحکہ انگیز سمجھے، تو یہ اگرچہ اسکے مذہب کی قوت اور اسکی فطرت کی سلامتی کی بڑی دلیل ہے، مگر ایک نظامِ تعلیم کی بڑی ناکامیابی ہے کہ وہ بچہ کے اندر یقین واعتماد پیدا نہیں کر سکتا، اور اس کو ذہنی کشمکش میں مبتلا کرتا ہے، کسی حکومت اور محکمۂ تعلیم کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ مال اور وقت کو اسطرح ضائع کرے۔

ایک ایسی قوم جو کسی ملک میں کروڑوں کی تعداد میں ہے، جو مساویانہ طریقہ پر حکومت کے ٹیکس ادا کرتی ہے، جو اس ملک کی قوت و عزت کا ایک اہم عنصر ہے، اور جس سے اسکے سکولر ملک ہونے کی لاج قائم ہے۔ اس کا اخلاقی و فطری حق رکھتی ہے کہ اس صورتِ حال کے خلاف احتجاج کرے، اور ملک میں رائے عامہ کو اس ناانصافی کے خلاف بیدار و منظم کرے، اس ملک کے ساتھ بہت بڑی وفاداری اور صحیح حب الوطنی یہ ہے کہ اس مصنوعی صورتِ حال کو جو بعض ریاستوں کی غلط اندیشی سے قائم ہو گئی ہے، اور جو ملک میں ایک دماغی بے چینی اور ذہنی انتشار و کشمکش پیدا کر رہی ہے، جلد تبدیل کیا جائے، مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر سنجیدہ اور معقول طریقے پر یہ مطالبہ کیا جائے گا، اور اس کو سیاسی اغراض کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا جائے گا، تو ملک کے ہر محبِّ وطن اور ہر معقولیت پسند انسان کو اس سے ہمدردی ہو گی، اور جو مخلص و سنجیدہ جماعت اس کو لیکر کھڑی ہو گی، اس کو بلا تفریق مذہب و ملت

www.abulhasanalinadwi.org

پُورے ملک کی اخلاقی تائیدؔ اُور ہمدردی حاصل ہوگی۔

حضرات!

اس ملک کا ضمیر زندہ اُور بیدار ہے، اس نے مختلف مواقع پر اپنی اخلاقی جرأت و معقولیت کا ثبوت دیا ہے، لیکن ہمیں اس واقعہ کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ ہم ابھی تک معاملہ کی سنگینی ذہن نشین نہیں کرسکے ہیں، اُور ہم نے رائے عامہ کو بیدار کرنے کے لئے (جو کسی مُلک کی سب سے بڑی طاقت اُور درحقیقت اقتدارِ اعلیٰ ہے) کوئی کام نہیں کیا ہے، اگر خدانخواستہ اس ملک کے کسی حصّہ میں آبادی کے کسی عنصر پر بلاوجہ دست درازی ہوتی ہو، اُور کوئی شریف آدمی اپنی عزّت و ناموس کو وہاں محفوظ نہ پاسکے، تو کیا اس کا امکان ہے کہ عرصہ تک یہ صورتِ حال قائم رہے، اُور مُلک کا ضمیر اسکے خلاف چیخ نہ اُٹھے، اُور اس مُلک کی رُوح اسکے خلاف صف آرا نہ ہوجائے، آپ کو بتانا چاہیئے تھا کہ ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے زیرِ بحث مسئلہ اس سے زیادہ اہم اُور معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہے، مسلمان کے نزدیک اسکے عقائدؔ اُور اس کا مسلکِ زندگی، اسکے جسم و جان اُور اس کی عزّت و ناموس سے زیادہ بیش قیمت ہے، اگر آپ یہ ثابت اُور واضح کردینگے کہ موجودہ نصابِ تعلیم ان عقائدؔ اُور ان عزیز حقائق کی بنیادوں پر تیشہ چلاتا ہے، تو وہ سب آپ کی تائید کے لئے جمع ہوجائیں گے جو کسی قوم کے معابدؔ و مقدسات اُور اس کی عزّت و ناموس پر حملہ بُرداشت نہیں کرتے، اُور یقین فرمائیے کہ ان شریف النفس اُور نیک طینت انسانوں کی اس ملک میں بہت بڑی تعداد ہے، اُور وہی اس ملک کی قوت و عزّت کا سرچشمہ ہیں۔

اگر خدانخواستہ آپ کسی وجہ سے اس اخلاقی حس اُور ضمیر کو حرکت میں نہ لاسکے تو پھر آپ کیلئے ایک راستہ یہ ہے، کہ آپ اس ملک کی عدالتِ عالیہ کے انصاف کا دروازہ کھٹکھٹائیں، ابھی تک

واقعات نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس مُلک کی عدالت مقامی حالات و تأثرات و قومی تعصبات سے آزاد ہے، اُور ایسی اخلاقی جرأت رکھتی ہے کہ ریاستوں اُور بااثر جماعتوں کے خلاف بھی اس کو اپنا فیصلہ صادر کرنے میں تامل نہیں ہوتا، ہمیں اُمید ہے کہ اگر ہم اپنا مطالبہ قوت اُور معقولیت کے ساتھ پیش کرینگے، اُور اس ملک کے دستور کے تحفظ کا مطالبہ کرینگے تو ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے گا، اس کا عملی طریقہ کیا ہو، اس کو آپ کی مجلسِ عاملہ یا مجلسِ شوریٰ طے کرسکتی ہے۔

حضرات!

نصابِ تعلیم اُور مُلک کی ثقافت و اُدبیات کا ایک اُور پہلو ہے، جسے ہم کو ایک دوسرے طریقے پر سوچنے کی ضرورت ہے، اس ملک میں مسلمانوں کی حکومت و تہذیب کا ایک دَور گذرا ہے جو چھ سات سو برس کی طویل مدت ہے، یہ ہندوستان کی تہذیب و ترقی کا ایک شاندار دَور ہے جس کو ہندوستان کی تاریخ سے خارج کرنا اس ملک کے ساتھ بڑی ناانصافی اُور وطن دشمنی ہے اس دَور میں ملک کی ترقی و شادابی کے بہت سے ایسے کام ہوئے جن سے ہمارا ملک ابھی تک فائدہ اٹھارہا ہے، اُور صدیوں تک فائدہ اٹھائے گا، اس زمانہ کے بہت سے نقش ایسے ہیں جو ہمارے ملک کی خوبصورتی اُور ناموری کا باعث ہیں، اس دَور میں سلاطین و وزراء کے حلقہ میں بھی، اُور شعراء و اُدباء کی محفل میں بھی، اُور فقراء و صوفیاء کے دائرہ میں بھی ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں، جن پر ساری دنیا اُور پوری انسانیت کے سامنے اس ملک کو فخر کرنے کا حق ہے اور جن سے ساری دُنیا میں اس ملک کی عظمت قائم ہے، ہم ان کی سیرت و محاسنِ اخلاق پیش کرکے اُور ان کے کارناموں اُور حالات سے نئی نسل کی تعلیم و تربیت، اس کی سیرت کی تشکیل، اُور اسکے کردار کی تعمیر میں بڑی مدد لے سکتے ہیں، اُور ہندوستان کی تاریخی عظمت کے دائرہ میں وسعت اُور تنوع پیدا کرسکتے ہیں، دُنیا کے ایک بہت بڑے حصّہ میں ان کی

www.abulhasanalinadwi.org

تاریخ ہماری عزّت وناموری کا باعث ہو سکتی ہے، یہ ہماری قابلِ فخر ملکیت ہے جس سے ہم کو کسی طرح دست بردار نہیں ہونا چاہئے، اس طویل انسانی تاریخ میں ہم کو کئی "تاج محل" اور "قطب مینار" ملتے ہیں، جو ہمارے ملک کی سربلندی اور زیب وزینت کا باعث ہیں اور جن کو دکھا کر ہم اپنے مدارس میں احساسِ جمال اور شوقِ کمال پیدا کر سکتے ہیں، یہ ہمارے ملک کے خمیر سے تیار ہوئے، اور ہمارے ہی مُلک کا جزو بن کر رہے، علاء الدین خلجی کی بلند ہمتی، اور آئین سازی، فیروز تغلق کی شرافتِ نفس اور نیک طینتی، شیر شاہ سوری کا بے نظیر پنج سالہ کارنامۂ حکومت، اورنگ زیب کی قوتِ ارادی اور قوتِ برداشت، محمود بیگڑہ کی انتظامی قابلیت اور رفاہ عامہ کا ذوق، مظفر حلیم کی انصاف پسندی اور پاکبازی، عبد الرحیم خانخاناں اور عبد العزیز آصف خاں کی جامعیت اور علمی وعملی کمالات کی رنگا رنگی، محمود گاواں کی قابلیت اور اسکے عالمگیر تعلقات، حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا فقر واستغناء، امیر خسرو کی ذہانت اور شاعری، ٹیپو سلطان کی مردانگی اور جذبۂ حریت، وہ کمالات ہیں، جو ہندوستان کے لئے سرمایۂ صد ہزار نازش وافتخار، اور نوجوانوں کی عزم وہمت اور انکی ذہنی واخلاقی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی عجیب وغریب طاقت رکھتے ہیں۔

اسی طرح ہندوستان کی سرزمین نے اپنے اس دور میں ایسے جلیل القدر فاضل، باکمال مصنّف، اور بلند پایہ محقق پیدا کئے، جنھوں نے اس وقت کی پوری متمدن دنیا کے ذہن پر اپنی بلندی وانفرادیت کا نقش قائم کر دیا، اور ساری علمی دنیا میں ہندوستان کا پایہ بلند کر دیا، آج بھی مشرقِ وسطیٰ اور ترکستان میں وہ تعارف کا ذریعہ اور یورپ میں ہندوستان کی عظمت کا باعث ہیں، ان میں سے ایسے بھی ہیں جنھوں نے بعض ایسی تصنیفات پیش کیں، جو اپنے موضوع پر اس وقت تک بے نظیر سمجھی جاتی ہیں، اور جن سے عرب ممالک کے علماء ومحققین بھی

حیرت زدہ ہیں، دسویں صدی کے مشہور گجراتی عالم شیخ محمد طاہر پٹنی کی مجمع بحار الانوار، گیارھویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ احمد فاروقی سرہندی کے خطوط کا مجموعۂ "مکتوبات"، بارھویں صدی کے شمالی ہندوستان کے ایک عالم شیخ محمد اعلیٰ تھانوی کی تصنیف "کشاف اصطلاحات الفنون" اور اسی صدی کے مشہور عالم اور پیشوا شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی "حجۃ اللہ البالغہ"، پھر تیرھویں صدی کے عربی کے ادیب سیّد مرتضیٰ بلگرامی کی "تاج العروس" وہ تصنیفات ہیں، جن کو عرب وایرانی اور ترکستانی فضلاء بھی بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور ان سے استفادہ کرتے ہیں، پھر دہلی کے ولی اللّٰہی خانوادے، اور لکھنؤ کے فرنگی محلی خاندان نے اپنی ذہانت وعلمی قابلیت سے ایک زمانہ میں بنگال سے لیکر بخارا اور سمرقند اور شیراز واصفہان تک اپنے درس وعلم کا سکہ چلایا ہے، ہم کس جرم میں اپنی انسانی عظمت، اپنی رُوحانی بلندی اور اپنی علمی پیشوائی کے اس درخشاں وَرق کو ہندوستان کی قومی تاریخ سے خارج کرتے ہیں، اور کس قصور میں اپنے نوجوانوں کو ان کے کارناموں کی واقفیت سے محروم رکھتے ہیں، آج ہندوستان میں اس دور کو نظر انداز کرنے کا یا اس کو حقیر دکھانے کا عمومی رجحان پایا جاتا ہے، آج کہیں ہماری جدید تاریخوں میں اور ہمارے نصابِ تعلیم کی کتابوں میں اس کا شایانِ شان تذکرہ اور اس کی بلند ومنفرد شخصیتوں کا تعارف نہیں ملتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری حب الوطنی ہمارے نیشنلزم میں ابھی بہت کمی اور خامی ہے، ہم سچے محبِ وطن اور ملک دوست اُس وقت تک نہیں ہو سکتے، جب تک کہ اس مُلک کی ساری اچھی حسین اور مفید چیزوں پر فخر کرنا، اور ان کی حفاظت کرنا، اور اُن کو زندہ رکھنا اپنا فرض نہ سمجھیں، ہندوستانی کنبہ کی ان شخصیتوں کو کیوں خارج کیا جائے، جن کا خمیر اسی سرزمین سے اُٹھا، اور جنھوں نے اپنی ساری صلاحیتیں اس مُلک کو زرخیز بنانے میں صرف کیں اور پھر اسی سرزمین میں آسودۂ خاک ہیں، اور ہم جن کی ہمت ونصرت سے اپنی زندگی کا چراغ

www.abulhasanalinadwi.org

جلا سکتے، اور اس کی لو بڑھا سکتے ہیں، اور دنیا کی بزمِ کمال میں اونچی جگہ پا سکتے ہیں، محبِ وطن شاعر نے کہا تھا:- ؎

خارِ وطن از سنبل و ریحاں خوشتر
حبِّ وطن از ملکِ سلیماں خوشتر

لیکن یہاں تو پھولوں کے ساتھ کانٹوں کا معاملہ کیا جا رہا ہے، اپنے ہاتھوں سے اپنی تاریخ کے اوراق کو چاک کیا جا رہا ہے، یا ان پر سیاہی پھیری جا رہی ہے، اور اس طرح ہندوستان کی تاریخ میں ایک ایسا خلا پیدا کیا جا رہا ہے جو صدیوں کو محیط ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم ہندوستان کے اس دور کو نمایاں اور ان کارناموں کو اجاگر کریں، ہم ہندوستان کی تاریخ کی ترتیب و تدوین میں حصہ لیں، ہم مطالبہ کریں کہ جدید تعلیم و نصابِ تعلیم میں عہدِ قدیم کی تاریخی شخصیتوں کے ساتھ ازمنۂ وسطیٰ کی اُن تاریخی شخصیتوں کو بھی جگہ دی جائے جو ہندوستان کے لئے قابلِ فخر اور نوجوانوں کے لئے قابلِ تقلید ہیں، اور جن سے ناواقفیت ایک بڑا نقص اور محرومی کی بات ہے۔

حضرات!

ہمارا ملک اس وقت ایک عبوری دور سے گذر رہا ہے، جس میں جذبات عقل پر، فرقہ پرستی حبّ الوطنی پر، تنگ نظری وسیع النظری پر، اور نسلی و لسانی تعصبات انسان دوستی پر غالب ہیں لیکن یہ دور زیادہ دن قائم نہیں رہے گا، اس لئے کہ اس میں قائم و باقی رہنے کی صلاحیت نہیں، سیاسی شعور کی بیداری دنیا کے حالات کی رفتار، علم کی اشاعت زمانہ کا امتداد خود بخود دماغوں کی اصلاح کرے گا، اور ان میں وسعتِ نظر اور حقیقت پسندی پیدا کر دے گا، اور جذبات پر عقل، فرقہ پرستی پر حبّ الوطنی، اور نسلی و لسانی تعصبات پر ملکی اتحاد، خلائق دوستی اور

اقدارِ عالیہ کی محبت اور قدر غالب آجائے گی، اور نہ صرف ایک ملک بلکہ پوری دنیا کے اچھے انسانوں، اور اچھے کارناموں کو اپنی ملکیت و دولت سمجھا جائے گا، اور ان پر فخر کرنا سیکھا جائیگا۔ اس وقت ہندوستان کی آبادی کے مختلف عناصر کے جذبات و روایات کا احترام اور ان کی امنگوں کی تکمیل کا سامان کیا جائے گا، اور ایک ایسی فضا پیدا ہوگی جس میں یہ سب عناصر و جماعتیں زیادہ سے زیادہ خوش دلی اور گرم جوشی کے ساتھ اس ملک کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے سکیں گی، اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار، اور اپنے عقیدے و مسلک کی طاقتوں کا اظہار کر سکیں گی[1]۔

لیکن ہم اُس وقت کے انتظار میں (جب حکومت کو اپنے فرض کا پورا احساس ہو جائے) نہیں رہ سکتے، قوموں کی زندگی میں چند برس کی مدت بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے، اس عرصہ میں ایک پوری نسل تیار ہو جاتی ہے، ہم کو اپنی جد و جہد جاری رکھنی چاہئے، یہ جد و جہد دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے، ایک حصہ جس کا تعلق حکومت سے ہے، یہ حصہ بھی ناگزیر ہے، ہم کو حکومت سے بہت واضح و پُرزور طریقے پر مطالبہ کرنا چاہئے کہ سرکاری نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم مکمل طور پر سیکولر ہو، اور حکومت اسکے نفاذ میں پورے خلوص و جرأت سے کام لے، ہم کو اس پر بھی اعتراض نہیں کہ وہ انگریزوں کے دورِ حکومت کی طرح بالکل غیر جانب دار ہو، اور خالص "دنیاوی" ہو جائے، جس میں کسی مخصوص مذہب یا تہذیب کی نمائندگی اور وکالت نہ ہو، اور اگر حکومت مسلسل تجربوں سے اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ نصابی کتابوں میں اخلاقی و تاریخی عنصر ضروری ہے، تو اس بارہ میں وہ پوری فراخ دلی اور وسیع النظری سے کام لے، اور دینی تعلیمات، اخلاقی اسباق اور تاریخی

---

[1] اس دور کا آغاز کچھ دور نہیں ہے، خود ہمارے محکمۂ تعلیم میں نصاب کے اس نقص کا احساس پیدا ہو چلا ہے، اور اسکے ازالہ کی کوشش کا بھی آغاز ہو گیا ہے۔ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

شخصیات میں کسی ایک فرقہ وتہذیب کی تعلیمات یا شخصیات پر اکتفا نہ کرے، بلکہ سب فرقوں کی نمائندگی کی کوشش کرے، اور ہر فرقہ کی نمائندہ اور مؤثر ومحبوب شخصیتوں کا انتخاب کرے، اور ہندوستان کے کسی دور وتہذیب کو نظر انداز کئے بغیر پوری بے تعصبی اور فراخ دلی سے ہندوستان کی نمائندگی ہو، اس انتخاب اور نمائندگی میں اس فرقہ کے مستند اہل علم واہل نظر کا اطمینان واتفاق ضروری ہے، اور اس بارے میں انھیں کے نقطۂ نظر کا لحاظ رکھنا پڑے گا، ہندوستان کے کثیر التعداد مذاہب اور گوناگوں تہذیبوں کے پیش نظر یہ کام نہایت نازک اور دشوار ہے اور یہ راہ بڑی خارزار ہے، اس کے لئے بڑی وسیع نظر، بڑی صائب رائے، اور بڑی وسعت قلب کی ضرورت ہے، اور مجھے اس میں بہت شبہ ہے کہ واضعین نصاب بغیر کسی فرقہ کی شکایت یا آزردگی کے اپنا یہ کام انجام دے سکیں گے، اسلئے حکومت کیلئے آسان اور مامون راستہ یہ تھا، کہ وہ اپنے دستوری اعلان کے مطابق اپنے نصاب ونظام تعلیم کو سیکولر رکھتی، اور مختلف فرقوں کو اس کی گنجائش وسہولتیں دیتی، کہ وہ اپنے بچوں کو ضروری مذہبی تعلیمات اور تاریخی معلومات سے آشنا کرنے کا انتظام کریں۔

نیز ایک ایسے ملک میں جو اپنے رقبہ میں بجائے ایک ملک کے ایک برِّ کوچک اور اپنی آبادی کے لحاظ سے دنیا کے آباد ترین ملکوں میں ہے، کسی حکومت کو اپنے انتظامات پر انحصار اور اصرار نہیں کرنا چاہئے، یہاں انگریزوں کے عہد سے پہلے نجی مکاتب اور مدارس کا ایک جال بچھا ہوا تھا، ان سے علم کی اشاعت اور ملک کو شائستہ وتعلیم یافتہ بنانے میں جو مدد ملی، اس کا انگریز مؤرخین نے بھی اعتراف کیا ہے، ہماری گذشتہ نسل جو شائستگی اور انسانیت میں شاید ہم سے بڑھی ہوئی ہے، انھیں مکاتب ومدارس کی فیض یافتہ ہے، انگریزوں نے بھی اپنے دورِ حکومت میں ان مکاتب ومدارس کو برقرار رکھا، اور بعض اوقات ان کی ہمت افزائی کی، ہم کو

حکومت سے مطالبہ کرنا چاہئے، کہ وہ پھر ان مکاتب ومدارس کی ہمت افزائی کرے، جو ضروری شہری مضامین کی تعلیم کا بندوبست کریں، اور ملک کے تعلیمی معیار پر پورے اتریں، حکومت کو (اگر وہ اس بات کے لئے فکر مند اور حریص ہے، کہ ملک کی آبادی کا زیادہ سے زیادہ حصہ خواندہ وتعلیم یافتہ بن جائے) ان مکاتب کو تسلیم کرنے میں عذر نہیں ہونا چاہئے، یہ اس کا بہت بڑا مالی بار ہلکا کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں، اور بالکل ممکن ہے کہ بعض اوقات اساتذہ کی قوتِ عمل، ذوقِ علم، اور عقیدہ ومقصد ان سرکاری اسکولوں سے بہتر نتائج پیدا کرسکے، جہاں کے اساتذہ اکثر اوقات صرف ملازمانہ ذہنیت رکھتے ہیں، اور صرف ضوابط کے پابند اور دعوت وخدمت کی روح سے خالی ہیں۔

دوسرا حصہ وہ ہے جو خود ہم سے متعلق ہے، اور اسکے بارے میں ہم خدا اور اسکے بندوں اور اپنی آئندہ نسلوں کے سامنے جوابدہ ہیں، ہم اپنی پہلی جدوجہد میں پورے طور پر کامیاب ہو جائیں اور نصابِ تعلیم حقیقی معنی میں غیر مذہبی وسکولر ہو جائے، پھر بھی ہمیں اپنے بچوں کی دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا انتظام کرنا ہوگا، مسلمانوں کا ملّی وجود اسی پر منحصر ہے، کہ ان کی ہر نسل نہ صرف صحیح العقیدہ بلکہ راسخ العقیدہ ہو، نہ صرف مذہب کی عامل بلکہ اسلام کی دعوت وپیغام کی حامل ہو، وہ نہ صرف جاہلیت اور اسکے افکار وعقاید وتصورات سے غیر متفق ہو، بلکہ ان سے متنفر ہو، اس کا فکر صحیح، اس کا شعور بیدار، اسکے اخلاق صالح، اور اس کا عمل مکمل ہو، وہ خلافِ اسلام فلسفوں اور دعوتوں، نفس کی ترغیبات اور زمانہ کے اثرات کا مقابلہ کرسکے، اور اس میں خیرِ امت بننے کی صلاحیت ہو۔

ظاہر ہے کہ ایک ایسی ملت کو جس کی زندگی کا اتنا بلند معیار ہو، ایک ایسے نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کے حوالہ نہیں کیا جاسکتا، اور زمانہ کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا جاسکتا، جس میں

www.abulhasanalinadwi.org

اس کی تکمیل کا نہ صرف یہ کہ سامان نہیں، بلکہ بعض اوقات ان مقاصد سے متصادم ہے، اس کیلئے مسلمانوں کو ایسا ہی انتظام کرنا ہوگا جیسے ان کو اپنی نمازوں اور دینی فرائض کی ادائیگی کے لئے معابد و مساجد اور روح و جسم کے رشتے کو برقرار رکھنے کیلئے ضروریات زندگی کا انتظام کرنا پڑتا ہے، اور اس سلسلے میں وہ کسی حکومت کی امداد کا انتظار نہیں کرتے، اس کیلئے ان کو مساجد میں وعظ و تلقین، گھروں میں اصلاح و تربیت اور مکتبوں اور مدرسوں میں دینی تعلیم کا انتظام کرنا ہوگا، اس کے لئے ان کو سارے ملک میں صباحی و شبینہ مکاتب کا ایک ایسا جال بچھا دینا ہوگا جس سے کوئی قریہ اور کوئی محلہ محروم نہ رہے۔

اس سلسلے میں قدرتاً دو کام اور ضروری ہیں، ایک ایسے نصاب کی ترتیب، جو بچوں کی دینی ضروریات اور ضروری معلومات پر حاوی ہو، بہترین تعلیمی اصول اور تجربات اور بچوں کی نفسیات کے مطابق لکھا گیا ہو، اور مسلمانوں کی اکثریت کے لئے قابلِ قبول ہو، دوسری ضرورت اساتذہ کی فراہمی اور ان کی تربیت کی ہے، جو اس نصاب کو کامیابی دلچسپی اور ذوق و خلوص کے ساتھ پڑھا سکیں۔

حضرات!

ان عزیز مقاصد کے لئے جن پر ہماری ملی زندگی کا انحصار ہے، اور جن پر یہ فیصلہ معلق ہے، کہ ہماری آئندہ نسل اسلام پر قائم رہے گی یا خدانخواستہ اس نعمت سے محروم کر دی جائے گی۔ ہم کو اپنے عزم اور قوتِ ارادی کا ثبوت دینا ہوگا، جن کے بغیر قومیں زندہ نہیں رہ سکتیں، ادارے ارادوں کے تابع ہیں، اور وسائل و ذخائر عزم اور فیصلوں اور سچی خواہش کے۔ ہمیں اپنی پہلی کوشش میں ذرا بھی کمی کئے بغیر اپنی ساری طاقتیں اس محاذ پر لگا دینی چاہئیں۔ ضلع بستی اور گورکھپور میں ایک شخص کی کوشش اور مقصد کے

نے بیسیوں اداروں کا کام کیا، اور ہمیں اس نئے تجربہ سے آشنا کیا ہے کہ ایک شخص کا عزم اس کی حکمتِ عملی کس طرح عمومی چندہ سے بے نیاز ہو کر سیکڑوں مدرسوں کو چلا سکتی ہے، اور طرح چھوٹے چھوٹے دیہات اور قصبات اپنے بچوں کی تعلیم میں خود کفیل ہو سکتے ہیں۔

کے فضل سے ابھی بیسیوں مقامات پر ایسے صاحبِ عزم و صاحبِ درد مسلمان موجود ہیں اس مہم کو لیکر کھڑے ہو جائیں، اور اس کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیں، اور اس کو اعلیٰ کی عبادت اور دینی خدمت تصور کریں، جس میں کسی صاحبِ فہم مسلمان کے نزدیک شبہ کی گنجائش نہیں، تو یہ مسئلہ جو اس وقت لاینحل معلوم ہوتا ہے بہت آسانی کیساتھ ہو جائے لیکن شرطِ اوّل عزم اور شرطِ ثانی نظم ہے، اور ان دونوں کی موجودگی ہر مشکل کو ن اور ہر ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے۔

حضرات!

قوموں کے اجتماعی فیصلوں نے دنیا کے نقشے اور قوموں کی تقدیریں بدل دی ہیں، آج جس چیز کو سب سے زیادہ ضرورت ہے، اور جو تمام موانع اور رکاوٹوں پر غالب آ سکتی ہے، اور کے سامنے حالات کو سپر ڈالنی پڑے گی، وہ ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی دینی کو ہر تعلیم پر مقدم رکھیں گے، اور بغیر اس ضروری دینی تعلیم کے جس سے وہ اپنے پیدا والے کو، اپنے پیغمبر کو، اور اپنے عقیدہ اور فرائض دینی کو پہچان سکیں، خالص رواجی اشی تعلیم دلانا گناہ اور اپنے مذہب سے بغاوت سمجھیں گے، اگر ہمارا یہ فیصلہ ہے، اور ہم یں سچے ہیں، تو دنیا کی کوئی طاقت، کوئی ترغیب، کوئی مصلحت، کوئی تعزیر، ہم کو اس ط مستقیم سے ہٹا نہیں سکتی، اور ہماری نسلوں کو اسلام کی نعمت سے محروم نہیں کر سکتی، ر ہمارا یہ فیصلہ نہیں، تو حکومت کی کوئی رعایت، کوئی استثناء، کوئی تحفظ، کوئی انتظام،

www.abulhasanalinadwi.org

ہم کو اس فساد و الحاد، اور اس انحراف و ارتداد سے بچا نہیں سکتا، جس کی طرف دنیا تیزی سے بڑھ رہی ہے، جو قومیں اپنے بارے میں خود فیصلہ نہ کر سکیں، ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا، جو قومیں خود فیصلہ کر لیں، ان کے فیصلہ کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

عام انسانی تاریخ اور خاص طور پر اسلامی تاریخ اس کے لئے شہادتیں فراہم کرتی ہے، اور قرآن مجید اعلان کرتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی قوم کے حالات میں اس وقت تک تبدیلی نہیں فرماتا، جب تک وہ قوم اپنے حالات میں خود تبدیلی پیدا نہ کرے:- ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔

حضرات!

آخر میں میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ آپ نے مجھے اس اہم موضوع اور اس اہم ترین مسئلہ پر (جس پر مسلمانوں کے مستقبل کا انحصار ہے) اپنے ناچیز خیالات پیش کرنے کی سعادت اور عزت عطا کی، اور اس مقدس فریضہ کے ادا کرنے کا شرف اور اس اجر حاصل کرنے کا موقع عنایت فرمایا۔

www.abulhasanalinadwi.org